ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.2(2024)
Published:30 June, 2024

انتظار حسین کی یادداشت "اُجاڑ شہر" کے انگریزی ترجمہ میں "ثقافتی عناصر" کی ترجمانی: ایک مطالعہ

A Study of the English Translation of Cultural Specific Items of Intizar Hussain's Memorandum "Ujaar Shehr"

عطرت بتول

پی ایچ۔ڈی اُردو اسکالر، شعبہ اُردو زبان و ادب، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی

ڈاکٹر اقلیمہ ناز

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو زبان و ادب، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی

Itrat Batool
Ph.D Urdu, Scholar Department of Urdu Zuban-O-Adab, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi.
itrat.batool@vu.edu.pk
Dr. Aqlima Naz
Assistant Professor, Department of Urdu Zuban-O-Adab, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi
aqlimanaz@fjwu.edu.pk

Abstract:
Bilingual translation is helpful in promoting the cultural interactions of two different languages on the one hand, on the other hand, it is a precise process during which the right of cultural interpretation cannot be duly done in many places. If the culture of the source language and the target language are similar, the preservation of the culture of the source text is still possible to some extent, but in case of differences between the culture of the source language and the target language, the culture of the source text is often undermined. Despite this, the process of translation continues even between languages with cultural differences. The example of this difference is prominent in English and Urdu. The difference between the two languages is too much, yet it is common to translate the texts of these two languages simultaneously. However, the mistranslation for cultural specific items is common in this perspective. In this regard, the translator has a responsibility to adopt appropriate strategies for interpreting specific cultural items.

Keywords: Bilingual Translation, Cultural Specific, Items, Lawrence Venuti, Intizar Husain, Ujaar Shehr, Mujahid Eshai

اردو نثر نگاری میں انتظار حسین کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ افسانوی و غیر افسانوی ہر دو طرح کی نثر نگاری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ غیر افسانوی نثر میں ان کے قلم سے تحریر شدہ مکاتیب، مضامین، کالم، سفر نامے، تاریخ اور یادداشتیں ان کی ادبی حیثیت کا تعین کرنے میں مدد ہیں۔ ان کی کتاب "دلی تھا جس کا نام" میں اگرچہ دلی کی تاریخ مرقوم ہے لیکن اس کا انداز ایک یادداشت کا سا ہے جس میں مصنف نے دلی شہر سے وابستہ اپنی یادوں کو بھی رقم کیا ہے۔ اس کتاب میں دلی شہر کی کامل سماجی تاریخ بیان

کی گئی ہے۔ دلی کے لوگ، بازار، رسم ورواج، مشاغل، پکوان، لباس، تہوار اس کتاب میں بخوبی مجسم تسطیر کیے گئے ہیں۔ اس اعتبار سے اس کتاب کی زبان دلی کی ثقافت کی ترجمان ہے۔ اس کتاب کا ایک مضمون "اجاڑ شہر" مجاہد عیشائی نے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو ان کی کتاب Yesterday Lives On مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۷ میں شامل ہے۔ مذکورہ کتاب میں انتظار حسین کے منتخب افسانوں اور مکاتیب کے انگریزی تراجم بھی شامل ہیں۔ چونکہ انتظار حسین کی تحاریر ایک مخصوص ثقافت کی عکاس ہیں اور ان کی زبان مخصوص ثقافتی عناصر سے مملو ہے، اس تناظر میں ان کے مترجمین سے بھی یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ دورانِ ترجمہ ان ثقافتی عناصر کو بطور خاص پیش نظر رکھیں۔ بین اللسانی ترجمہ کاری میں بہت سے مسائل سامنے آتے ہیں جن کے حل کے لیے ماہرینِ ترجمہ مختلف تجاویز پیش کرتے ہیں۔ اچھا ترجمہ وہی ہوتا ہے جو ماخذ متن کی کماحقہ ترجمانی کرے تاہم ترجمہ کے عمل میں ماخذ متن کو ہو بہو ہدف متن میں منتقل کرنا ممکن نہیں۔ متن اور ترجمہ میں توازن پیدا کرنے اور ثقافتی عناصر کی ترجمہ کاری کے لیے معروف امریکی ماہر ترجمہ لارنس وینوتی (Lawrence Venuti) نے چند حکمت عملیاں متعارف کروائی ہیں جو Domestication & Foreignization کے نام سے جانی جاتی ہیں۔

ڈومیسٹی کیشن کی حکمت عملی کے تحت ترجمہ شدہ متن میں ہدف زبان کے قاری کی سہولت کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ اسے "مقامیت" بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس حکمت عملی کے تحت استعمال ہونے والی تکنیکوں میں سب سے پہلے Omission کی تکنیک آتی ہے جس کے تحت ماخذ متن کے کسی لفظ کو ترجمہ میں شامل نہیں کیا جاتا۔ یہ اس وقت استعمال کی جاتی ہے جب ماخذ متن کے کسی لفظ کا مناسب مساوی متن ہدف زبان میں موجود نہ ہو، اس لفظ کو چھوڑ دینے سے متن کی معنویت میں تخفیف نہ ہو یا پھر اس لفظ کو ترجمہ کرنے سے ہدف زبان کی شائستگی متاثر ہو۔ اگر ان وجوہات سے قطع نظر کسی لفظ کو ترجمہ میں شامل نہ کیا جائے تو اس کا شمار حذوف میں ہوتا ہے جسے under translation (۱) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس حکمت عملی کی دوسری تکنیک نیوٹرلائزیشن / Neutralization ہے جسے Midway یعنی درمیانی راستہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ تکنیک اس وقت استعمال کی جاتی ہے جب ماخذ متن کا من و عن مساوی ہدف زبان میں موجود نہ ہو اور ماخذ متن کی لفاظی سے ہٹ کر کچھ دیگر الفاظ کی مدد سے متن کا مدعا بیان کیا جائے۔ ترجمہ میں یہ تکنیک عام مستعمل ہے۔ یہ تکنیک بھی ہدف زبان کے قاری کی سہولت کا باعث ہے کیونکہ اس میں ماخذ متن کے الفاظ کی عین ترجمانی پر ہدف زبان کے عام مستعمل الفاظ کو مقدم رکھا جاتا ہے۔ اس حکمت عملی کی تیسری تکنیک cultural substitution ہے جس میں ماخذ متن کے ثقافتی عنصر کا تبادلہ ہدف متن کے مساوی ثقافتی عنصر سے کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً "نو نقد نہ تیرہ ادھار" کا ترجمہ A bird in the hand is worth two in the bush اس تکنیک کی مثال ہے۔ اس حکمت عملی کی چوتھی تکنیک borrowing global text یعنی گلوبل ٹیکسٹ مستعار لینے کی تکنیک ہے۔ متن میں جہاں بین الاقوامی لفاظی مستعمل ہو، ترجمہ میں اسے انگریزی میں ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ اردو میں مستعمل لفظ "کار" کا ترجمہ car اس تکنیک کی مثال ہے۔

فارنائزیشن کی حکمت عملی ڈومیسٹی کیشن کے برعکس ہے۔ اس میں مترجمہ متن ہدف زبان کی بجائے ماخذ متن سے قربت رکھتا ہے۔ اس کی پہلی تکنیک borrowing کہلاتی ہے جسے مستعار لفظی کہا جاتا ہے۔ اس تکنیک میں ترجمہ میں ماخذ متن کا لفظ من و عن دو صورتوں میں استعمال کر لیا جاتا ہے، اول یہ کہ ہدف زبان میں اس کا مساوی متبادل موجود نہ ہو اور دوسرے یہ کہ کوئی نیم مساوی متبادل ماخذ متن کے لفظ کے مفہوم کو کماحقہ ادا کرنے سے قاصر ہو۔ اس حکمت عملی کی دوسری تکنیک Literal Translation کہلاتی ہے جس کے تحت لفظ بہ لفظ ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ ماخذ متن کا مفہوم نہ چھوٹے۔ اس حکمت عملی کی تیسری تکنیک گلوز /

Gloss کہلاتی ہے جس کے تحت ماخذ متن کے لفظ کو من و عن اس لیے اپنالیا جاتا ہے کیونکہ ہدف زبان میں اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہوتا۔ زیر قلم مقالے میں انتظار حسین کی متذکرہ بالا یادداشت بعنوان "اجاڑ شہر" کے انگریزی ترجمہ میں ان حکمت عملیوں کا مطالعہ کرنا مقصود ہے۔ اس ضمن میں "اجاڑ شہر" میں مذکور غالب کے ایک خط کا، جس میں دہلی کی بربادی کا ذکر ملتا ہے اور جسے مصنف نے بطور حوالہ استعمال کیا ہے، بیان مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

غالب نے یہ خط منشی شیو نرائن کو ۲۳۔ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو لکھا تھا۔ گویا سال سے اوپر گزر چکا تھا اور شہر اسی طرح اجڑا پڑا تھا۔ گلی کوچے ہو حق کر رہے تھے۔"(۲)

Ghalib wrote this letter on 23rd, October, 1857, to Munshi Narayan Rao. In other words, a year or more had elapsed and the city still lay in ruin. The lanes were silent."(3)

مذکورہ بالا ترجمہ میں "غالب" کے لیے Ghalib کا ترجمہ گلوز کی تکنیک کا مظہر ہے جو بالکل درست ترجمہ ہے۔ "منشی شیو نرائن" کے لیے Munshi Narayan Rao کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے مترجم نے بنیادی طور پر تو گلوز کی تکنیک ہی استعمال کی ہے لیکن ساتھ ہی "شیو" کے لیے Omission کی تکنیک بھی برت ڈالی ہے جس کی بظاہر کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ اسی طرح Rao کا لفظ متن سے زائد ہے اور over translation (4) کی مثال ہے۔ "اکتوبر" کے لیے October کا لفظ کیلق (5) کا مظہر ہے۔ "گویا" کے لیے In other words معقول مساوی متن نہیں، یہاں It Seems یا It Shows کے الفاظ نیوٹرلائزیشن کا حق بہتر طور پر ادا کر سکتے ہیں۔ "شہر اسی طرح اجڑا پڑا تھا" کے مقابل the city still lay in ruin کے الفاظ ملتے ہیں جو لفظی ترجمہ کی تکنیک کا مظہر ہیں۔ "گلی کوچے ہو حق کر رہے تھے" کے مقابل The lanes were silent کے الفاظ کی صورت میں نیوٹرلائزیشن کی تکنیک برتی گئی ہے۔

"اگ رہا ہے در و دیوار پہ سبزہ غالب
میں تو جنگل میں ہوں اور فصل میں بار آئی ہے(۶)

"Greenery covers the door and the wall, Ghalib
I am in wilderness whereas spring returns to my abode"(7)

شعر کے ترجمہ میں "غالب" کے لیے حسب سابق گلوز کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ "اگ" کے لیے Covers کا لفظ نیوٹرلائزیشن کی تکنیک کا مظہر ہے۔ "در" کے لیے door کا لفظ بھی نیوٹرلائزیشن کا مظہر ہے۔ "میں تو جنگل میں ہوں" کے لیے I am in wilderness کے الفاظ کی صورت میں لفظی ترجمہ کی تکنیک برتی گئی ہے۔ "اور" کے لیے whereas کا لفظ نیوٹرلائزیشن کے زمرے میں آتا ہے۔ "گھر میں" کے لیے to my abode کے الفاظ کی صورت بنیادی طور پر لفظی ترجمہ کی تکنیک برتی گئی ہے تاہم my کا لفظ زائد از متن ہے۔ "بہار آئی" کے لیے spring returns کے الفاظ کی صورت میں بھی نیوٹرلائزیشن کی ہی تکنیک مستعمل

ہے۔۔ "اجاڑ شہر" میں مذکور ۱۸۵۷ء کی غدر کے دوران دہلی کے رہائشیوں کے تتر بتر ہونے اور پھر صورت حال میں کچھ بہتری آنے کے بعد واپس اپنے ٹھکانوں سے رجوع کرنے کا احوال مع ترجمہ پیش ہے:

"اب اس کوچہ کے باسی پلٹ کر آئے تو حیران و پریشان تھے کہ ہمارا کوچہ کہاں گیا اور ہمارے مکان کیا ہوئے، زمین کھا گئی یا آسمان نے نگل لیا۔"(۸)

Now that the residents of that alley were returning, they were utterly lost, wondering where had their alley-way and their home gone. Had the earth eaten them or the skies swallowed them?" (9)

مذکورہ بالا ترجمہ میں "اب اس کوچہ کے باسی پلٹ کر آئے" کا ترجمہ کرتے ہوئے بنیادی طور پر لفظی ترجمہ کی تکنیک برتی گئی ہے تاہم متن اور ترجمہ کی جملہ بندی میں قواعد کا اختلاف واقع ہے۔ متن میں ماضی مکمل جبکہ ترجمہ میں ماضی جاری میں جملہ تسطیر کیا گیا ہے۔ ابلاغ بہر حال واقع ہے۔ "حیران و پریشان" کے لیے utterly lost, wondering کے الفاظ نیوٹرلائزیشن کی تکنیک کے تحت برتے گئے ہیں جبکہ Utterly کا لفظ زائد از متن ہے۔ "ہمارے مکان کیا ہوئے" کی ترجمانی میں بھی نیوٹرلائزیشن کی تکنیک مستعمل ہے۔ "زمین کھا گئی یا آسمان نے نگل لیا" کی ترجمانی میں لفظی ترجمہ کی تکنیک مستعمل ہے تاہم اس حصے میں "آسمان" کے لیے Skies کا لفظ درست نہیں۔۔ جنگ کے بعد پیدا ہونے والی سماجی ابتری کی وجہ دہلی والوں کو مختلف فکروں نے آن گھیرا، مذکور مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

"ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیں گے کیا۔۔۔ اور اب تو وہ سستے کا زمانہ بھی نہیں تھا جب گیہوں روپے من تھا اور گھی روپے کا چار سیر اور گڑ شکر ٹکے سیر۔"(۱۰)

"We accepted to live in Delhi, but what are we to eat… The days when things were cheap were gone. A maund of wheat was worth a rupee, four seers of Ghee was purchased for a rupee and a seer of Gur and sugar for only a taka."(11)

مذکورہ بالا ترجمہ میں "ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں" کی ترجمانی کرتے ہوئے لفظی ترجمہ کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ "کھائیں گے کیا" کے ترجمے کی بنیاد میں بھی یہی تکنیک استعمال کی گئی ہے تاہم قواعد کا اختلاف واضح ہے۔ یہاں are کی جگہ have کا استعمال مناسب ہے۔ "اور اب تو وہ سستے کا زمانہ بھی نہیں تھا" کی ترجمانی کے لیے نیوٹرلائزیشن کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ "گیہوں" کے لیے wheat کا لفظ بھی نیوٹرل ہے، لٹرل نہیں۔ اس کے لیے wheaten کا لفظ لغوی مساوی ہے۔ البتہ "من" کے لیے maund کا لفظ لغوی مساوی ہے۔ "گھی" کے لیے Ghee کی صورت میں گلوز کی تکنیک برتی گئی ہے۔ "گڑ" کے لیے بھی اگرچہ یہی تکنیک مستعمل ہے تاہم "ڑ" کی آواز کو r سے ظاہر کیا گیا ہے جو نقل حرفی کی تختی کے مطابق نہیں، مدعا البتہ واضح ہے۔ "ٹکا" کے لیے بھی گلوز ہی مستعمل ہے۔۔ دہلی کو چھوڑنے والے اپنا مال اسباب جہاں تہاں چھوڑ گئے جو کچھ موقع پرستوں نے ذخیرہ کر لیا، "اجاڑ شہر" میں ایک مذکور مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

اور کوٹھری جانے والوں کی پوٹلیوں سے منھا منھ بھر گئی۔"(12)

In due course the room overflowed with packages of savings of a lot of those who had exited the city. (13)

مذکورہ بالا ترجمہ میں "کوٹھڑی" کے لیے room کے لفظ کی لفظ کی صورت نیوٹرلائزیشن کی تکنیک مستعمل ہے۔ اسی طرح "منھا منھ بھرنا" کے لیے overflowed کا لفظ بھی اسی تکنیک کا مظہر ہے۔ "پوٹلیوں" کے لیے packages of savings کا انتخاب درست نہیں البتہ متن کا مفہوم مرسل ہے۔ "جانے والوں" کی ترجمانی کے لیے لٹرل تکنیک مستعمل ہے۔۔ جنگ نے دہلی کی زندگی کو عارضی طور پر روکا ضرور تھا، مستقل طور پر اسے جڑ سے بہر طور نہ اکھاڑ سکی۔ کچھ عرصہ بعد متاثرین نے کسی نہ کسی طور زندگی گزارنے کے اسباب پیدا کر ہی لیے۔ مذکور مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

"مگر کیا عاقبت اندیش اور کیا ناعاقبت اندیش لشٹم پشٹم سب ہی نے جینے کا سامان کر لیا۔" (14)

"Regardless of whether they had the foresight or not, with passage of time everyone found ways to survive." (15)

مذکورہ بالا متن کی ترجمانی کی بنیاد میں نیوٹرل تکنیک مستعمل ہے تاہم قواعد کا خفیف اختلاف واقع ہے۔ متن میں "عاقبت اندیش" اسم ہے جبکہ ترجمہ میں یہ فاعل کے طور پر سامنے آتا ہے۔ "لشٹم پشٹم" کا لفظ ترجمہ میں حذف کر دیا گیا ہے تاہم اس کی معنویت دیگر ترجمہ میں موجود ہے۔۔ دہلی میں جنگ زدہ مسجد کا ایک بیان مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

"مسجد کے دروازے ان پر بند تھے۔ سیڑھیوں پر مسلمان نام کا پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔" (۱۶)

"No Muslim dare venture on to the stairs and the Jama Masjid roundabout" (17)

مذکورہ بالا تمام متن کا غالب ترجمہ نیوٹرل ہے تاہم کچھ الفاظ لٹرل ٹرانسلیشن کا مظہر ہیں جیسے مسلمان کے لیے Muslim کا لفظ ملتا ہے۔ "مسجد" کے لیے Masjid کے لفظ کی صورت مستعار لفظی کی تکنیک استعمال کی گئی ہے جو معقول نہیں۔ "مسجد کے دروازے ان پر بند تھے" کی ترجمانی کے دوران سوائے لفظ "مسجد" کے باقی متن Omission کے زمرے میں ڈال دیا گیا ہے اور دیگر مترجمہ متن سے حذف شدہ متن کے مفاہیم کا مواخذہ کرنے کا کام قاری پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ حالات کے جبر میں اہلیان دہلی کے رویوں میں بھی بدلاؤ آیا جسے وقت کی تدریج نے بالآخر معمول پہ لا ٹھہرایا، ایک مذکور مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

مگر رفتہ رفتہ پتھر دل موم ہو گئے۔" (۱۸)

But slowly the hearts melted. (19)

مذکورہ بالا ترجمہ میں "رفتہ رفتہ" کے مقابل slowly کا لفظ لٹرل نہیں بلکہ نیوٹرل ہے۔ "رفتہ رفتہ" ایک مسلسل عمل ہے جو نسبتاً لمبے عرصے پر محیط ہے جبکہ slowly فعلی صفت ہے جو محدود دورانیے میں بھی واقع ہو سکتی ہے۔ یہاں gradually زیادہ مناسب ہے۔ اسی طرح "پتھر دل موم ہونا" کی ترجمانی بھی نیوٹرل تکنیک کے تحت کی گئی ہے۔ "پتھر" کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے اور "موم ہونا"

کی ترجمانی بھی لفظی نہیں بلکہ معکوس ہے۔ یہاں "موم ہونا" کے لیے cultural substitution بہ الفاظ to soften یا to tone down کا استعمال بھی معقول ہو سکتا ہے تاہم مترجم نے نیوٹرل تکنیک ہی برتی ہے۔۔ دہلی کی از سر نو آبادی کا تذکرہ مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

"مسجد جامع واگزاشت ہو گئی۔ چتلی قبر کی طرف سیڑھیوں پر کبابیوں نے دکانیں بنالیں ۔ انڈا مرغی کبوتر بکنے لگا۔ عشرۂ مبشرہ یعنی دس آدمی مہتمم ٹھرے ۔ مرزا الٰہی بخش، مولوی صدر الدین، تفضل حسین خاں۔ تین یہ، سات اور "(20)

" The Jamia Masjid has been returned. On the stairs leading from the colourful tomb (Chitli Qabar) the Kebab makers have erected their shops. Eggs, chicken and pigeon sale has restarted. A few days ago ten persons were made the managers, namely, Mirza Elahi Baksh, Moulvi Sadruddin, Taffazul Hussain Khan and seven others....." (21)

پہلے جملے کا ترجمہ لفظی ترجمہ کی مثال ہے تاہم یہاں "جامعہ مسجد" کے لیے مستعار لفظی کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ اسی طرح "کباب" کے لیے بھی مستعار لفظی مستعمل ہے۔ "چتلی قبر" کے لفظی ترجمہ کے ساتھ ساتھ قوسین میں مستعار لفظی بھی پیش ہے جبکہ لفظی ترجمہ بالکل غلط ہے۔ چتلی قبر سے مراد کوئی عام رنگین مزار ہر گز نہیں ہے کہ اسے colourful tomb سے تعبیر کیا جائے۔ اس قبر کی مخصوص تاریخی حیثیت ہے جس کے مطابق:

"چتلی قبر دہلی کے چتائی چوک اور چتلا گیٹ کے احاطے میں واقع ہے۔ مغل دور میں یہ علاقہ "چتائی" یعنی برتنوں پر نقاشی کے فن کی وجہ سے مشہور تھا۔ ایک روایت کے مطابق امتداد زمانہ کے ہاتھوں چتائی اور چتلا کے الفاظ کے ادغام سے "چتلی" کا لفظ وجود میں آیا۔ ایک روایت کے مطابق ۱۸۵۷ء کی غدر کے دوران انگریز سرکار نے اس علاقے اور اس کے نواح سے چن چن کے چالیس مدبر ہندوستانیوں کو مار ڈالا۔ ان چالیس مقتولین میں سے ایک کی قبر اسی احاطے میں ہے جبکہ باقی دہلی کے دیگر علاقوں میں مدفون ہیں۔ مذکورہ ایک قبر "چتلی قبر" کہلاتی ہے۔ قبر کے کتبے پر ۲۷ رجب ۹۳۷ ہجری بمطابق اسلامی کیلنڈر کندہ ہے۔ اس قبر کو مقدس مقام مان کر یہاں باقاعدہ عرس منایا جاتا ہے، ۱۸ شعبان کو اس مقام پر منایا جانے والا عرس اسی تقدیس کی مثال ہے۔"(۲۲)

اب مذکورہ بالا سیاق کے ساتھ "چتلی قبر" کو colourful tomb قرار دے دینا مترجم کی طرف سے اغماص لفظی کا اظہار ہے۔ بہتر ہوتا کہ خواہ مخواہ کے لفظی ترجمہ کی بجائے مستعار لفظی کی ہی تکنیک پہ تکیہ کیا جاتا اور "چتلی قبر" کی تفصیل پائے ورق میں دے دی جاتی۔۔ متن کے اگلے حصے میں مذکور انڈے، مرغی اور کبوتر کے بکنے کا بیان خفیف اختلاف کے ساتھ لفظی ترجمہ کی مثال ہے۔ A few days ago کے الفاظ زائد لفظی کی مثال ہیں۔ مرزا الٰہی بخش، مولوی صدر الدین، تفضل حسین خان کے ناموں کی

ترجمانی کے لیے گلوز کی تکنیک استعمال کی گئی ہے جبکہ "یہ تین" کو حذف کر دیا گیا ہے تاہم اس حذف کے باوجود مفہوم کا ابلاغ مکمل ہے۔۔ دہلی کی دوبارہ آبادی کا ایک بیان مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

"پدڑی، لال مینا والے رنگ برنگی پدڑیوں اور لالوں سے بھرے پنجرے لے کر آئے
اور سیڑھیوں پر آکر جم گئے۔"(23)

"Pidri Lall Myna Walley came with cages full of beautifully coloured birds and settled down on the stairs."
(24)

مذکورہ بالا متن کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ "پدڑی" کے لیے مستعار لفظی کو پھر بھی قبول کیا جا سکتا ہے، "لال مینا" کے لیے بھی مستعار لفظی کی رعایت برتی جا سکتی ہے لیکن "والے" کے لیے Walley کا لفظ کسی تکنیک کی مد میں ہر گز قابل قبول نہیں۔ نہ تو یہ لفظ ثقافتی عنصر کے زمرے میں آتا ہے کہ اس کے لیے گلوز یا مستعار لفظی کی ضرورت پڑے، نہ ہی یہ ایسا لفظ ہے کہ اس کا مساوی متبادل ہدف متن میں موجود نہ ہو۔ اس کا لفظی ترجمہ بآسانی ہو سکتا ہے، ایسے میں معلوم نہیں مترجم نے یہ فعل کیوں روا رکھا جبکہ متن و ترجمہ میں ایسی کوئی تفہیمی ضرورت بھی سامنے نہیں آتی۔ پھر یہ کہ "پدڑی" بھی کوئی مخصوص ثقافتی عنصر نہیں کہ اس کا ترجمہ نہ ہو سکے، مراد اس سے "چھوٹی چڑیا" یا نحیف و نزار پرندہ ہی ہے جو صرف ماخذ متن کے جغرافیے میں ہی نہیں ہدف متن کے جغرافیے میں بھی پایا جاتا ہے، انگریزی میں اس کے لیے tomtit کا لفظ مستعمل ہے، معلوم نہیں کیوں مترجم نے پھر بھی مستعار لفظی کو ہی مقدم رکھا ہے۔ یہی سلوک "لال مینا" کے ساتھ بھی روا ہے۔ ستم یہ کہ ترجمہ کے اگلے حصے میں "پدڑیوں اور لالوں" کے لیے نیوٹرلائزیشن کی تکنیک برتتے ہوئے انہیں beautifully coloured birds سے تعبیر کیا گیا ہے، اگر یہی تکنیک ہی برتنا مقصود ٹھہرا تو اوپر ان پرندوں کے لیے مستعار لفظی کی تکنیک برتنے کا کیا جواز ہے؟ گلوز یا مستعار لفظی خالصتاً ماخذ متن مرکز ہیں جبکہ نیوٹرل تکنیک ہدف مرکز متن ہے۔ متن کے ایک ہی حصے میں ایک ہی طرح کے متن کے لیے دو متضاد تکنیکیں اختیار کرنا ترجمہ کے کچے پن کی نشانی ہے۔ البتہ ماخذ متن کے آخری حصے کا ترجمہ لفظی ترجمہ کی تکنیک کو برتتے ہوئے درست خطوط پر کیا گیا ہے۔۔ "اجاڑ شہر" میں مذکور بہادر شاہ ظفر کا ایک شعر مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں(25)

Nor the light of anyone's eyes nor solace for anyone's heart
Who is of no use to anyone, I am that one fist full of dirt" (26)

شعر کا ترجمہ نہایت عمدگی سے کیا گیا ہے اور اس ترجمہ میں لفظی ترجمہ کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ لفظی ترجمہ میں اکثر متن کا مفہوم پوری جزئیات کے ساتھ واضح کرنا مشکل ہو جاتا ہے تاہم اس شعر کی ترجمانی میں ایسا کوئی جھول نہیں ملتا۔ شعر کے ترجمہ کی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں قافیہ کا التزام بھی برتا گیا ہے جبکہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ منظوم ترجمانی میں قافیے کے چکر میں ترجمہ میں حشو

وزوائد در آتے ہیں۔ مذکورہ بالا ترجمہ کے دوسرے مصرعے میں صرف full کا لفظ زائد از متن ہے تاہم تفہیمی مد میں یہ زائد قابل قبول ہے۔۔ دہلی کی بربادی سے صرف نچلا طبقہ ہی نہیں بلکہ شاہی طبقہ بھی خوب متاثر ہوا۔ کچھ شاہی افراد سرکاری مصاحبت پانے میں کامیاب ٹھہرے، ایسوں کا ایک مذکور مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

"یہ وہ شہزادیاں شہزادے تھے جو سرکار کی گنتی میں آگئے۔ شروع میں گنتی میں آتے تو پھانسی پہ چڑھتے۔ اور اعلانِ معافی کے بعد گنتی میں آئے تو پنشن کے حقدار ٹھہرے۔ پنشن کتنی یہی بس پانچ روپے مہینہ۔" (۲۷)

"These were those Princes and Princesses who came into the Government's count. If they had come into the count in the beginning, they all would have been hanged but since they came into the count after the declaration of amnesty, they all became eligible for pension. The pension amount was five rupees a month." (28)

مذکورہ بالا ترجمہ لفظی ترجمہ کی بہترین مثال ہے۔ ترجمہ میں بلا کم و کاست وہی مفہوم بیان کیا گیا ہے جو متن کا مدعا ہے۔ ترجمہ میں گلوبل ٹیکسٹ کی رعایات کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ "پنشن" کی ترجمانی گلوبل ٹیکسٹ مستعار لینے کی واضح مثال ہے۔۔ دہلی کی روداد میں مذکورہ بالا شہزادے شہزادیوں کے تذکرے کے ساتھ ساتھ بہادر شاہ ظفر کا بطور خاص عالی مذکور مع ترجمہ پیش ہے:

"سب سے بڑا افسانہ بہادر شا ظفر کی ذات تھی۔ دلی کی بیبیوں کے حساب سے وہ دلی کا سہاگ تھے۔ جب وہ رنگون سدھارے تو دلی کا سہاگ اجڑ گیا۔ تو ان بیبیوں کے حساب سے دلی اب رانڈ تھی۔ اس کا پیا پہلے رنگون سدھارا۔ پھر جلا وطنی کے عالم میں دنیا سے سدھار گیا۔" (۲۹)

"The biggest legend revolves around the very being of Bahadur Shah Zafar. According to the ladies of Delhi he represented the Suhag (manhood) of Delhi. When he went off to Rangoon the Suhag of Delhi was destroyed. The ladies now reckoned that Delhi had been widowed. Its bridegroom first went to Rangoon and then in a state of exile he departed from the world." (30)

مذکورہ بالا متن کے پہلے جملے کا ترجمہ لفظی ترجمہ اور نیوٹرلائزیشن کا امتزاج ہے۔ "بہادر شاہ ظفر"، "دلی" اور "رنگون" کے لیے گلوز مستعمل ہے۔ "سہاگ" کے لیے مستعار لفظی کی تکنیک مستعمل ہے تاہم قوسین میں اس کا لفظی ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ یہاں

مترجم نے مستعار لفظی کی تکنیک کو بر محل و بر مقام برتا ہے۔ مجموعی طور پر متن کی ترجمانی میں البتہ لفظی ترجمہ کو بخوبی برتا گیا ہے۔ دہلی کے محلوں کی رونق جنگ کے ساتھ ہی رخصت ہو چکی تھی، "اجاڑ شہر" میں اس کا ایک مذکور مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

"نہ دربار رہا نہ درباری رہے۔ نہ اردبیگنیاں، قلماقنیاں، ترکنیاں نہ دربان، مردھے، پیادے۔ نہ تام جھام نہ تخت رواں۔ نہ ماہی مراتب نہ روشن چوکی۔ نوبت بجنی بند۔"

(31)

"There was no court nor courtiers neither courtesans nor jesters nor advisors nor scribes, nor guards and neither soldier. There was no trace of the gold and silver chains and other trinkets, the throne or the brocade tassels." (32)

مذکورہ بالا متن و ترجمہ کے مابین انتہا درجے کا اختلاف واقع ہے۔ "دربار اور درباری" کی لفظی ترجمانی کچھ استزاد کے ساتھ درست ہے تاہم اس کے بعد کے ماخذ متن اور حدف متن کا خطِ افتراق حد درجہ طول اختیار کر جاتا ہے۔ متن میں "اردبیگنیاں" کا لفظ مستعمل ہے جسے ترجمہ میں ہذف کر دیا گیا ہے۔ اردبیگنیاں سے مراد سپاہی عورتیں ہیں۔ یہ ترکی الاصل لفظ ہے۔ مصنف کا اس لفظ کو متن میں استعمال کرنا ایک مخصوص محل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسی طرح متن میں مستعمل اس قبیل کے دوسرے لفظ "قلماقنیاں" کو بھی ترجمہ میں حذف کر دیا گیا ہے۔ "قلماقنی" سے مراد قلماق قوم سے تعلق رکھنے والی عورت ہے جو مسلح، شاہی محلوں میں پہرہ دینے پر مامور ہوتی تھی۔ یہی سلوک اگلے لفظ "ترکنیاں" کے ساتھ روا رکھا گیا ہے۔ "تِرکن" سنسکرت کا لفظ ہے۔ اس سے مراد منطقی، جھگڑالو یا بحث کرنے والا آدمی ہے۔ متن میں اس لفظ کی تانیث مستعمل ہے اس لیے اس رعایت سے ایک عورت میں یہ خصوصیات بیان کرنا مقصود ہیں۔ یہاں ملحوظ رہے کہ اس لفظ کا مطلب "پٹواگری" بھی ملتا ہے جس کا تعلق باریک نوکدار موچنے / آلے کے کام سے متعلق ہے۔ اس سے مراد ایک آہنی آنکڑا (نوکدار مڑے ہوئے سروں، کنڈوں والا آلا) ہے، اسے کوہ پیائی کے لیے رسی کے ساتھ استعمال ہونے والی hook سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

دہلی میں پٹواگری کے لیے مستعمل اس آنکڑے کو "باشوبند" کہا جاتا ہے اور "تِرکن" بھی اسی کا نام ہے۔ تاہم یہاں باشوبند یا ترکن ایسا آلہ ہے جو کسی کام کرنے والے آلے کی مرکزی لکڑی (مثال کے طور پر مدھانی، چرخہ، چکی، کولہو) سے باندھا جاتا ہے اور اس کا پنڈولم کی طرح ہلتے رہنا کام ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ نیز آنکڑے کے پھل کا رخ بدلا بھی جا سکتا ہے۔ یہاں "ترکن" بطور اسم ذات یعنی مرد یا عورت کے دیکھیں تو کچھ مخصوص صفات سامنے آتی ہیں جن میں عقل و فراست کے ساتھ ساتھ جارحیت بھی نمایاں ہے۔ دوسری جانب اس لفظ کو بطور اسم آلہ دیکھیں، اس کی ساخت دیکھیں اور پھر اس کے پھل کا رخ بدلنے کا بیان دیکھیں تو ایک تاثر یہ بھی ابھرتا ہے کہ اس لفظ سے منسوب کی جانے والی عورتیں کام کاج کی دیکھ بھال پر مامور ہیں تاہم اگر کام میں خلل واقع ہو تو وہ باز پرس کا بھی خوب اختیار رکھتی ہیں۔ اس قدر وسیع تناظر کے حامل متنی ثقافتی عنصر کو ترجمہ میں بڑے آرام سے حذف کر دیا گیا ہے۔ بہتر ہوتا کہ ان الفاظ کے لیے گلوز کی تکنیک استعمال کرتے ہوئے پائے ورق میں تفصیل دے دی جاتی۔ ان الفاظ کی جگہ ترجمہ میں jesters، advisors اور scribes کے الفاظ مستعمل ہیں۔ jesters کا لفظ استعمال کرنے کی کوئی توجیہہ سمجھ نہیں آتی، اس لفظ سے "مذاق کرنے والے" مراد ہیں جبکہ متن میں تو کوئی ایسی صورت نہیں ملتی۔ advisors کے لفظ کو منطقی کی ذیل میں رعایت دے بھی دی

جائے، scribes کے لیے یہ رعایت جاتی رہتی ہے کیونکہ اس سے مراد "کاتب" ہیں جب کہ متن میں کتابت کا کچھ ذکر نہیں اور جن افراد کا خصوصی ذکر ہے ان کی تفہیم ناصح یا کاتب سے نہیں ہو سکتی۔ البتہ دربان، مردھوں اور پیادوں کی ترجمانی کچھ تخفیف کے ساتھ ہی سہی، درست انداز میں کی گئی ہے۔ "تام جھام" کی غیر ضروری توضیح بصورت سونے چاندی کی انگوٹھیوں اور ہاروں کے، ترجمہ میں خوب تام جھام کی مظہر ہے۔ "تختِ رواں" کے لیے throne کی تعبیر بھی کچھ ادھوری ہے۔ "تختِ رواں" سے مراد تخت یا بادشاہت نہیں بلکہ بادشاہ کی مخصوص شاہی سواری ہے، بہر طور پچھلے ترجمہ کے تناظر میں فقط throne کا لفظ بھی غنیمت ہے۔ ترجمہ میں "نہ ماہی مراتب نہ روشن چوکی" اور "نوبت بجنی بند" سے مکمل صرف نظر کرتے ہوئے the brocade tassels کا اضافہ ٹانک دیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر متن کے اس حصے کی ترجمانی انتہائی ناقص ہے۔۔ "اجاڑ شہر" میں بہادر شاہ ظفر کے ہاتھی مولا بخش کی جذباتی کیفیات مع ترجمہ ملاحظہ ہوں:

> "ادھر بہادر شاہ ظفر رخصت ہو گئے ادھر ان کے ہاتھی نے کہ مولا بخش کہلاتا تھا، کھانا پینا چھوڑ دیا۔ ہاتھی مولا بخش نے بھی اور اسپِ ہمدم نے بھی۔ فیل بان نے سانڈرس صاحب کو اس واقعہ سے مطلع کیا۔ سانڈرس صاحب بنفس نفیس لڈو اور کچوریوں سے بھری ٹوکری لے کر مولا بخش کے تھان پہ پہنچے اور ٹوکری اس کے سامنے رکھ دی۔ مولا بخش نے سونڑہ میں ٹوکری کو لپیٹا اور غصے میں آ کر دور پھینک مارا۔" (۳۳)

> "As Bahadur Shah Zafar departed, his favorite elephant called Maula Baksh, stopped eating and drinking, as did the friendly horse. The Mahout informed Saunders Sahib of this development. Saunders Sahib came with a basketful of sweetmeats for Maula Baksh and placed the basket in front of him. Maula Baksh wrapped his trunk round the basket and hurled it afar in anger."(34)

مذکورہ بالا ترجمے کی پہلی سطر مکمل طور پر لفظی ترجمہ کا اظہار ہے۔ "بہادر شاہ ظفر" اور "مولا بخش" کے لیے گلوز کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ اگلے جملہ میں "اسپِ ہمدم" کی لفظی ترجمانی البتہ مستحسن نہیں۔ تحریر میں واضح ہے کہ اس سے مراد پیارا گھوڑا ہی ہے لیکن "اسپِ ہمدم" اس گھوڑے کا نام ہے اور نام کی ترجمانی کے لیے گلوز ہی کی تکنیک درست ہے۔ "سانڈرس صاحب" کے نام کے ترجمہ کے لیے بھی گلوز ہی برتا گیا ہے حالانکہ یہاں "صاحب" کے لیے لفظی ترجمہ یعنی Sir کی گنجائش بھی موجود ہے تاہم دونوں طریقے درست شمار کیے جا سکتے ہیں۔۔ ہاتھی کی بولی لگنے اور موت واقع ہونے کا بیان مع ترجمہ پیش ہے:

> "بازار میں سب سے بڑھ کر کانے بنسی پنساری نے بولی لگائی اور ڈھائی سو روپے میں اس شاہی سواری کو خرید لیا۔ تب فیل بان نے ٹھنڈا سانس بھرا اور ہاتھی سے مخاطب ہو کر یوں بولا کہ لے بھائی مولا بخش، میری تیری تقدیر پھوٹ گئی۔ شاہی حضوری سے محروم

ہوئے۔ اب ہلدی کی گرہ بیچنے والے کی جی حضوری کریں گے۔ ہاتھی یہ سن دھم سے زمین پہ گرا اور فوراً ہی جان دے دی۔" (۳۵)

"In the bazaar the highest bid of rupees two hundred and fifty was made by one-eyed Bansi, the grocer. Then the mahout took an ice-cold sigh and spoke to the elephant thus: "Maula Baksh! Your and my fate stands crushed. Having been deprived of Royalty we will now be required to appease a seller of turmeric cloves." The elephant on hearing this fell down and passed away." (36)

مذکورہ بالا متن کا ترجمہ خفیف حذوف کے ساتھ لفظی ترجمہ کی تکنیک استعمال کرتے ہوئے کیا گیا ہے۔ "فیل بان" کے لیے mahout کا لفظ عمدہ ہے۔ "مولا بخش" کے لیے حسب سابق گلوز مستعمل ہے۔ "میری تیری تقدیر پھوٹ گئی" کے نوحے کی ترجمانی کے لیے cultural substitution کی تکنیک استعمال کی جاتی تو ترجمہ کی تاثیر دوچند ہو جاتی، تاہم لفظی ترجمہ کی تکنیک کی صورت میں اس نوحے کی ترجمانی کی کچھ صورت گری کر ہی دی گئی ہے۔

متن و ترجمہ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ترجمہ میں زیادہ تر لفظی ترجمہ کی تکنیک اور نیوٹرلائزیشن کی تکنیک سے کام لیا گیا ہے جس سے متن کے عمومی پہلوؤں کی ترجمانی عمدگی سے ہو رہی ہے۔ بعض مقامات پر لفظی ترجمہ کو اس خوبی سے برتا گیا ہے کہ اس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ اس ضمن میں بہادر شاہ ظفر کے متذکرہ بالا مترجمہ شعر کو سامنے رکھا جا سکتا ہے کہ جس کی ترجمانی میں قافیہ کا التزام برتنے کے باوجود کوئی معنوی اختلاف دیکھنے میں نہیں آتا۔ گلوز کی تکنیک کا استعمال بھی اکثر مقامات پر برمحل ہے، مستعار لفظی البتہ کہیں معقول تو کہیں غیر معقول ہے، اسی طرح ایک دو مقامات پر omission بھی غیر معقول طور پر برتی گئی ہے۔ زوائد کا تناسب بہت کم ہے جو مترجم کے متن کو مقدم رکھنے کا اظہار ہے۔ اصل مسئلہ مخصوص ثقافتی عناصر کی ترجمہ کاری کا ہے جس میں مترجم خاطر خواہ کامیاب نہیں۔ چتلی قبر، اردبیگنیاں، قلماقنیاں، ترکنیاں متن میں جس قدر اپنی حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں، ترجمہ میں اسی قدر ان سے صرف نظر کی گئی ہے۔ اسی طرح "نہ ماہی مراتب نہ روشن چوکی" اور "نوبت بجنی بند" جیسے حذوف سے ترجمہ میں متن کی تفہیم ادھوری رہ جاتی ہے۔ پھر مترجم نے کسی مقام پر بھی cultural substitution کی تکنیک استعمال نہیں کی حالانکہ بعض مقامات پر اس کی واضح گنجائش موجود ہے۔ ان فنی نکات سے پہلو تہی کرنے کے باعث ترجمہ کا مجموعی تاثر اچھا نہیں رہتا۔ مترجم کے پیش نظر بہر طور یہ نکتہ رہنا چاہیے کہ ثقافتی متون کی ترجمہ کاری کے دوران ان باریکیوں کو ملحوظ رکھنے سے ہی ترجمے کا عمل سبک اور رواں ہو سکتا ہے۔-

حوالہ جات

۱۔ انڈر ٹرانسلیشن (Under Translation) سے مراد ترجمہ میں ماخذ متن کے لفظ کو یوں حذف کر دینا ہے کہ اس سے ترجمہ میں ماخذ متن کی تفہیم میں تخفیف معلوم ہو۔ بہ الفاظِ دیگر انڈر ٹرانسلیشن کی وجہ سے ترجمہ میں ماخذ متن کی تفہیم کا عمل ادھورا رہ جاتا ہے۔

۲۔ انتظار حسین، اجاڑ شہر، مشمولہ: دلی تھا جس کا نام، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۵۰

3۔ Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, Sang e Meel Publications, Lahore, 2017, P:147

۴۔ اوور ٹرانسلیشن (Over Translation) سے مراد ترجمہ میں ایسے الفاظ استعمال کرنا ہے جو ماخذ متن میں بالکل موجود نہ ہوں، بعض اوقات صرف ایک آدھ لفظ جبکہ بعض اوقات پورے پورے جملے بھی اوور ٹرانسلیشن کی مثال کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ انہیں زوائد بھی کہا جاتا ہے۔ کچھ زوائد توضیحی و تفہیمی مد میں قابل قبول ہوتے ہیں جبکہ کچھ قطعی طور پر ناقابل قبول ہوتے ہیں۔ اسی طرح زائد جملے الحاقی متن کی ذیل میں آجاتے ہیں جو بیشتر مقامات پر توضیحی مد میں قبول نہیں کیے جاسکتے بلکہ مصنف کے متن پر مترجم کی بلند خیالی غالب آنے کی ذیل میں ترجمہ کے نواقص میں آجاتے ہیں۔

۵۔ کیلق (calque) سے مراد وہ الفاظ ہیں جو ایک زبان سے دوسری زبان میں داخل ہوتے ہیں اور تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ دوسری زبان کا حصہ بن جاتے ہیں۔ October کا انگریزی زبان سے اردو میں داخل ہو کر "اکتوبر" ہو جانا کیلق کی مثال ہے۔ کیلق کا ترجمہ کرتے ہوئے لفظ کی ماخذ زبان کو مقدم رکھا جاتا ہے۔

۶۔ انتظار حسین، اجاڑ شہر، ص: ۱۵۲

7۔Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:149

۸۔ انتظار حسین، اجاڑ شہر، ص: ۱۵۲

9۔Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:149

۱۰۔ انتظار حسین، اجاڑ شہر، ص: ۱۵۲

11۔Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:150

۱۲۔ انتظار حسین، اجاڑ شہر، ص: ۱۵۳

13۔Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:150

۱۴۔انتظار حسین، اجاڑ شہر، ص: ۱۵۳

15۔Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:150

۱۶۔ انتظار حسین، اجاڑ شہر، ص: ۱۵۳

17۔Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:151

۱۸۔انتظار حسین، اجاڑ شہر، ص: ۱۵۳

19۔Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:151

۲۰۔ انتظار حسین، اجاڑ شہر، ص: ۱۵۳

21۔Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:151

22۔ https://shahjahanabad.eheritageproject.in/chitli-qabar/

۲۳۔انتظار حسین، اجاڑ شہر، ص: ۱۵۴

24۔Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:151

۲۵۔ انتظار حسین، اجاڑ شہر، ص:۱۵۴

26۔ Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:152

۲۷۔ انتظار حسین، اجاڑ شہر، ص:۱۵۵

28۔Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:153

۲۹۔ انتظار حسین، اجاڑ شہر، ص:۱۵۵

30۔Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:153

۳۱۔ انتظار حسین، اجاڑ شہر، ص:۱۵۶

32۔Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:154.155

۳۳۔ انتظار حسین، اجاڑ شہر، ص:۱۵۶

34۔Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:155

۳۴۔ انتظار حسین، اجاڑ شہر، ص:۱۵۷

36۔Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:155.156

References in Roman Script:

1. Under Translation is a process to omit some word of source text in such a way that the wholesome of the meaning of source text may be reduced in translation. In other words, the proper transformation of meaning of source text is suffered due to under translation.
2. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, Included: Dili Tha Jis Ka Naam, Sang e Meel Publications, Lahore, 2003, P:150
3. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, Sang e Meel Publications, Lahore, 2017, P:147
4. Over Translation is a process to use such words in translation which are out of the source text. Sometime only a single word or so may be used during over translation while sometime examples of whole sentences may be found as over translation. These are called extensive words/phrases some of which may be accepted due to comprehensive nature while some of them are obviously unacceptable. These textual extensions often cannot be accepted even for comprehension rather they are considered a defect of translation due to translator's imbrication over the writer's thought.

5. Calque are the words of a language used in an other language in such a way that after minor reshaping, they become a part of the other langusage. The use of English word "October" as "Aktoobar" in Urdu is an example of Calque. Calque is translated respective to the source language.
6. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, P:152
7. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:149
8. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, P:152
9. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:149
10. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, P:152
11. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:150
12. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, P:153
13. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:150
14. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, P:153
15. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:150
16. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, P:153
17. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:151
18. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, P:153
19. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:151
20. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, P:153
21. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:151
22. https://shahjahanabad.eheritageproject.in/chitli-qabar/
23. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, P:154
24. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:151
25. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, P:154
26. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:152
27. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, P:155
28. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:153
29. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, P:155
30. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:153

31. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, P:156

32. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:154.155

33. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, P:156

34. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:155

35. Intizar Hussain, Ujaar Shehr, P:157

36. Mujahid Eshai, Yesterday Lives On, P:155.156